ٹیلی ڈراما ''فقیر ایپی'' کا تنقیدی جائزہ

ڈاکٹر شیر علی☆

Abstract:

This artical is a critical review of a PTV drama Faqeer Eipee which is a dramatic presentation of heroic struggle and fight of Faqeer Eipee against colonialism.Drama was based on a true love story of a hindu girl who embraced Islam and got married to a muslim.This ignited Hindus and they manipulated through a fake medical certificate which proved that girl a minor and took the girl back.It ignited pashtoon tribes and the fight started in the leadership of Faqeer.Playwrite Amir Maqbool has planned plot of this two episodic drama like a true artist.But the characterisation has a few flaws as it has made protagonist a towering figure to overshadow all.Romantic characters could have been utilised to enhance romance and aesthics in the drama but they are disposed off after a short entry of two scenes.Despite a few flaws, this drama is a true representation of Pashtune culture.

جدوجہد آزادی اور نظریہ پاکستان سے آگاہ رکھنے، نیز اسلامی تاریخ کے نشیب و فراز سے روشناس کرنے کے لیے پاکستان ٹیلی ویژن نے بہت سے تاریخی ڈرامے پیش کیے ہیں۔اس سلسلے میں آخری چٹان، شاہین اور ٹیپو سلطان ایسے طویل ڈرامے قابل ذکر ہیں۔ان کے علاوہ تحریک پاکستان پر مبنی ڈراما تعبیر (از سلیم احمد) اور ''جناح سے قائد تک'' پی ٹی وی کی تاریخ میں خصوصی اہمیت کے حامل ڈرامے ہیں۔

مذکورہ طویل قسط وار تاریخی ڈراموں کے علاوہ پاکستان ٹیلی ویژن نے پاکستان کے مختلف علاقوں میں مجاہدین آزادی کی سعی و عمل سے اپنے ناظرین کو آگاہ کرنے کے لیے ایک سیریز ''وفا کے پیکر'' کے نام سے شروع کی جس

☆ اسسٹنٹ پروفیسر، شعبۂ اردو، الحمد اسلامک یونیورسٹی اسلام آباد

میں پی ٹی وی کے تمام مراکز نے حصہ لیا۔

اس سلسلے میں پاکستان ٹیلی ویژن پشاور مرکز نے بھی سرحد کے جانثاران آزادی کی جدوجہد کو اجاگر کرنے کے لیے ڈرامے پیش کیے جن میں ''فقیراپی'' خصوصیت اہمیت کا حامل ہے۔ یہ ڈراما دو اقساط پر مشتمل تھا جس کے ہدایت کار اور پروڈیوسر توفیق احمد تھے۔ وہ اس ڈرامے کی پیش کش کے سلسلے میں کہتے ہیں:

> ''میرے لیے یہ ڈراما بہت یادگار ہے بلکہ اپنی فنی خصوصیات کی بدولت یہ لازوال ہے۔ اس میں فقیراپی کا کردار ممتاز زیب نے کیا جو اپنی جسمانی ساخت کے لحاظ سے فقیراپی سے اتنے مماثل ہیں کہ ایک موقع پر جب ممتاز زیب فقیراپی کے مخصوص Costume میں تھے اور ہماری ٹیم ایک قبائلی علاقے میں آؤٹ ڈور ریکارڈنگ کر رہی تھی تو ممتاز زیب جب ایک شارٹ کے لیے غار سے باہر آئے تو ایک قبائلی نے انہیں سچ مچ فقیراپی سمجھا۔ چنانچہ وہ بے اختیار آگے بڑھا اور ممتاز زیب (فقیراپی) کے ہاتھ چومنے اور الٹے قدموں رخصت ہوا۔ انگریز افسران کے کردار نجیب اللہ انجم اور عامر خان آفریدی نے کیے اور رام کور (اسلام بی بی) کا کردار شارقہ فاطمہ نے کیا اور یہ پاکستان ٹیلی ویژن پر بطور اداکاران کی پہلی پرفارمنس تھی۔
>
> اس ڈرامے کی تمام تر آؤٹ ڈور ریکارڈنگ انھی مقامات پر کی گئی جہاں تاریخی طور پر یہ واقعات رونما ہوئے۔ مقبول عامر نے اس کی منظرنگاری کے لیے ایسی ٹیکنیکس تجویز کیں جو عموماً Hollywood کی فلموں میں اختیار کی جاتی ہیں۔ میں یہ بات بڑے اعتماد سے کہہ سکتا ہوں کہ بطور ایک اچھے پروڈیوسر کے میری حیثیت متعین کرانے میں اور میری شناخت بنانے میں مقبول عامر کے اس ڈرامے کا بڑا کردار ہے۔ کاش وہ حیات رہتے تو میں، پاکستان ٹیلی ویژن بلکہ الیکٹرانک میڈیا ایک بہت عمدہ ڈراما نگار سے استفادہ کر رہے ہوتے۔''(۱)

فقیراپی جسے مقبول عامر نے تحریر کیا، وہ اپنی اس کاوش کو ٹیلی ویژن اسکرین پر نہ دیکھ سکے کیوں کہ ان کی وفات کے ایک ماہ بعد ٹیلی کاسٹ ہوا۔

مقبول عامر نے یہ ڈراما جہاں قومی جذبات کی ترجمانی اور فقیراپی کو تہنیت پیش کرنے کے لکھا، وہاں برصغیر کی اس عظیم جہادی قوت سے ان کی ذاتی جذباتی وابستگی بھی تھی۔ کیوں کہ فقیراپی کی جدوجہد کا آغاز جس واقعے سے ہوتا ہے اس کا تعلق مقبول عامر کے اپنے خاندان بلکہ اپنے گھر سے تھا۔ یہ واقعہ ایک ہندو دوشیزہ کے اسلام قبول کرنے اور ایک مسلمان نوجوان سے شادی کرنے کا واقعہ ہے۔ اس واقعے کی تفصیل محمد شفیع صابر نے ''تاریخ صوبہ سرحد'' میں یوں دی ہے:

> ''سال ۱۹۳۶ء میں ضلع بنوں میں ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس کی وجہ ہندو مسلم کشیدگی میں اضافہ ہوگیا اور بے چینی کی فضا پیدا ہوئی۔ جھنڈ وخیل ضلع بنوں کی ایک ہندو دوشیزہ رام کوری یا رام کماری نے اسلام قبول کرنے کے بعد ایک مسلمان نوجوان امیر نور علی شاہ سے نکاح کر لیا جس پر ہندو ویش میں آ

گئے، انھوں نے لڑکی کی ماں منسا دیوی اور چچا ہرنام داس کی طرف سے امیر نور علی شاہ پر اغوا کا مقدمہ بنا دیا۔ ہندو سول سرجن نے ڈاکٹری سرٹیفکیٹ میں لڑکی کو نا بالغ ظاہر کیا، جس پر مقدمہ کا فیصلہ ہندوؤں کے حق میں ہو گیا۔ مسلمان چاہتے تو لڑکی کو وزیرستان کے قبائلہ علاقے میں بھیج سکتے تھے لیکن انھوں نے قانونی ذرائع سے کام لینا بہتر سمجھا اور اس فیصلے کے خلاف اپیل دائر کر دی۔ لڑکی نے اپنے بالغ ہونا اور بخوشی اسلام قبول کرنا تسلیم کیا تاہم عدالت نے ڈاکٹر سرٹیفکیٹ کو بہانہ بنا کر لڑکی کو اس کے ہندو سرپرستوں کے حوالے کر دیا۔ ہندو اسے ہوشیار پور (پنجاب) لے گئے۔ اسے شدھی کر کے از سر نو اپنے مذہب میں داخل کیا۔ اس پر مسلمانانِ ہند میں اشتعال پھیل گیا، ہزاروں افراد نے جلوس نکالا ارڈپٹی کمشنر کے بنگلہ اور عدالتوں کو گھیرے میں لے لیا، یہ خبر وزیرستان پہنچی تو قبائلی مجاہد بھی بپھر گئے، مشہور روزیر یر مجاہد فقیر آف ایپی نے اعلانِ جہاد کر دیا۔''(۲)

مذکورہ واقعے کا مرکزی کردار امیر نور علی شاہ دراصل مقبول عامر کے حقیقی چچا تھے اور مقبول عامر بچپن ہی سے اس واقعے کو اپنے گھر کے بزرگ افراد سے سنتے آئے تھے اور قلبی طور پر اس رومانی واقعے کے جذباتی حصار میں رہے۔ مقبول عامر کے بڑے بھائی عاشق حسین شاہ کے مطابق امیر نور علی شاہ اس واقعے کے دو سال بعد اپنے دوستوں کے ساتھ سید دبابا (سوات) گئے لیکن واپس نہیں آئے اور آج تک لاپتہ ہیں۔ ممکن ہے وہ رام کور کے پیچھے ہوشیار پور چلے گئے ہوں یا فقیر ایپی کی تحریک میں حصہ لے کر شہید ہو گئے ہوں۔(۳)

اس واقعہ سے چوں کہ اسلامیانِ سرحد کے مذہبی جذبات مجروح ہوئے اور پورے علاقے میں ایک اشتعال کی لہر دوڑ گ ء۔ اس لیے فقیر ایپی نے انگریزوں کے خلاف جہاد کا اعلان کر دیا جس نے بعد میں ایک ہمہ گیر جہادی تحریک کی شکل اختیار کر لی۔ اس سے قبل کہ ڈرامے کا تجزیاتی مطالعہ کیا جائے، فقیر ایپی کی شخصیت، سوانح اور جدوجہد آزادی کے لیے ان کی سعی و عمل کا تذکرہ ضروری معلوم ہوتا ہے۔

فقیر ایپی کا اصل نام مرزا علی خان تھا۔ آپ شمالی وزیرستان کے مقام میر علی کے قریب ایک چھوٹے سے گاؤں ''ایپی'' میں ایک متقی عالم دین ارسلا خان کے گھر ۱۸۹۷ء میں پیدا ہوئے۔ اسی گاؤں کی مناسبت سے انگریزوں نے آپ کو ''فقیر ایپی'' کا نام دیا۔ ایک روایت کے مطابق آپ کا سلسلہ قندھار (افغانستان) کے شمال مغرب میں واقع تاریخی قصبہ ''اکا'' کے سید سعید ابن علی الکوزی ابدالی سے جا ملتا ہے۔

حاجی مرزا علی خان جہاں ایک عالم دین کی حیثیت سے قبائلیوں کے روحانی پیشوا تھے وہاں وہ اپنی قائدانہ اور سپاہیانہ صلاحیتوں کی وجہ سے امیر المجاہدین بھی تھے۔ آپ نے دو بار فریضہ حج ادا کیا۔ آپ علمائے دین کی ملاقاتوں کو جاتے اور صوفیائے کرام کی زیارتوں میں مشغول رہتے۔ آپ نے جلال آباد (افغانستان) کے سلسلہ قادریہ کے مشہور روحانی پیشوا سید حسن نقیب کے دست مبارک پر بیعت کی تھی۔ اور ان سے خرقہ خلافت حاصل کیا تھا۔ افغانستان سے واپسی پر آپ نے اپنے گاؤں ایپی میں خاموش مذہبی طرز کی زندگی اختیار کی اور روحانیت کی چٹنگی میں لگے رہے۔ آپ کی دعاؤں میں اثر تھا۔ لوگ آپ سے ملنے اور برکت حاصل کرنے کے لیے آتے تھے۔

جب انگریزوں نے قبائلی علاقوں اور مسلمانوں کے دینی معاملات میں مداخلت شروع کی اور خصوصاً جب ۱۹۳۶ء میں ضلع بنوں میں ''اسلام بی بی'' کا مشہور تاریخی واقعہ رونما ہوا تو فقیرایپی نے انگریزوں کے خلاف با ضابطہ اعلانِ جہاد کیا۔

فقیرایپی ڈرامے میں سرحد کے اس مردِ قلندر و مجاہد اعظم کی مذکورہ کوششوں کی ڈرامائی تشکیل کی گئی ہے۔ یہ ڈراما چالیس سے زائد طویل و مختصر ان ڈور اور آؤٹ ڈور مناظر پر مشتمل ہے۔ ڈرامے کی ابتدا فقیرایپی کے تعارف پر مشتمل ایک بیانیہ (Narration) سے ہوتی ہے۔ اس بیانیہ کا آخری حصہ وزیرستان کے خطے اور اس میں آباد قبائل کے لوگوں کے بارے میں ایک خوب صورت تصویر دکھاتا ہے۔

''آسمان کی نیلگوں فضاؤں پر راج کرنے والے عقابوں کا یہ خطہ ''وزیرستان'' کہلاتا ہے۔ یہ بلند و بالا پہاڑ وطن سے محبت کرنے والے حریت پسندوں کے لہو سے سرخرو ہیں۔ یہاں کے ایک ایک پتھر پر حب وطن اور وفاپرستی کی ایسی ایسی لہو رنگ داستانیں کندہ ہیں جو ابد تک اہل ایمان کا لہو گرماتی رہیں گی۔ پانچ ہزار مربع میل پر پھیلا ہوا یہ خشک پہاڑی علاقہ افغان سرحد کے ساتھ ساتھ صوبہ سرحد کے ضلع بنوں اور ڈیرہ اسماعیل خان کے جنوب مغرب میں واقع ہے۔ یہاں چار بڑے قبائل (۱) وزیر (۲) محسود (۳) داوڑ اور (۴) بھٹنی آباد ہیں۔ یہ جفاکش اور سخت جان لوگ ہیں جن کے متعلق شاعر مشرق نے فرمایا ہے کہ:

فطرت کے مقاصد کی کرتا ہے نگہبانی
یا بندۂ صحرائی یا مردِ کہستانی

آزادی کے یہ متوالے ہمیشہ بیرونی حملہ آوروں سے برسرپیکار رہے ہیں۔ غیرت و حمیت کی راہ میں آتش و آہن کی کوئی دیوار ان کے لیے رکاوٹ نہیں بن سکی۔ ان کی بہادری اور شجاعت کی داستانیں ہماری قومی تاریخ کا درخشاں باب ہیں۔

اسلام اس خطے میں پہلی صدی ہجری کے نصف اوّل میں پہنچ گیا تھا۔ لاہور کے عجائب گھر میں پڑا ہوا یہ کتبہ (سکرین پر کتبہ دکھایا جاتا ہے) شمالی وزیرستان کے صدر مقام میران شاہ کے قریب ''در پہ خیل'' نامی گاؤں کے ایک برج سے ملا تھا۔ اس پر کندہ عربی اور سنسکرت عبارت سے پتہ چلتا ہے کہ یہ ۱۰۰ ہجری کے زمانے سے تعلق رکھتا ہے۔

ایک روایت کے مطابق ۲۹ ہجری میں کئی صحابہ کرام نے یہاں آکر کفار اور مشرکین کے خلاف فوجی مہمات میں حصہ لیا تھا۔ ملک آڈور کی یہ زیارت گاہ، جہاں دو صحابہ کرام کی قبریں ہیں (کیمرہ قبریں دکھاتا ہے)، قبائلیوں کے لیے ایک مقدس جگہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ عیدالضحیٰ کے موقع پر حج والے دن یہاں وزیرستان کے لوگوں کا اجتماع ہوتا ہے۔ یہی وہ تاریخی جگہ ہے جہاں مشہور قبائلی حریت پسند حاجی میرزا علی خان عرف فقیرایپی نے انگریزوں کے خلاف باقاعدہ اعلان جنگ کیا تھا۔''

مقبول عامر نے فقیرایپی اور اس کے قبائلی مجاہدین کی جہادی کوششوں کو ایک عمدہ پلاٹ کی شکل دی ہے۔ اس کہانی کی ابتدا ایک ہندو لڑکی رام کور کی امیر نور علی شاہ سے دریا کنارے ایک خاموش ملاقات سے ہوتی ہے۔ جس

میں دور ہی دور سے مسکراہٹوں کا تبادلہ ہوتا ہے۔ یہ لڑکی ایک دوپہر اپنا گھر چھوڑ کر نور علی شاہ کے گھر آ جاتی ہے۔ نور علی شاہ حیران اور نا راض ہوتا ہے۔ لیکن وہ بتاتی ہے کہ وہ مسلمان ہو چکی ہے اور اس کے پاس سب کشتیاں جلا کر آئی ہے۔ اس دوران مرزا علی خان فریضہ حج ادا کر کے واپس آتے ہیں جن کا شان دار استقبال کیا جاتا ہے۔ ادھر لاہور میں مسجد شہید گنج کا واقعہ ہوتا ہے جس سے قبائل میں اشتعال پھیلنے لگتا ہے۔ رام کور کے اسلام قبول کرنے اور نور علی شاہ کے ساتھ شادی کرنے پر ہندو مقدمہ دائر کر دیتے ہیں۔ نور علی شاہ اور ان کے بڑے بھائی امیر عبداللہ شاہ کو گرفتار کر لیا جاتا ہے۔ عدالت میں مقدمہ چلتا ہے اگر چہ رام کو عدالت میں یہ واضح بیان دیتی ہے کہ وہ مسلمان ہو چکی ہے، اب اس کا دینی نام اسلام بی بی ہے لیکن مجسٹریٹ اسے برٹش لا کی روشنی میں نابالغ قرار دیتے ہوئے اسے دارالامان بھیج دیتا ہے اور نور علی شاہ اور عبداللہ شاہ کو جیل بھیجنے کا حکم صادر کرتا ہے جس پر قبائلی مسلمان مشتعل ہوتے ہیں اور اسے اپنے شرعی قوانین میں مداخلت قرار دیتے ہوئے اس کے خلاف احتجاج کرتے ہیں۔

واقعہ مسجد شہید گنج اور مقدمہ اسلام بی بی کے بعد فقیرا پی یہ کہتے ہوئے اعلان جہاد کرتا ہے کہ اللہ کی مدد شامل حال رہی تو کفار خس و خاشاک کی طرح بہہ جائیں گے۔ انگریز اسے Terrorism قرار دیتے ہیں۔ گاؤں کی فصلوں کو آگ لگاتے ہیں۔ مکانات مسمار کرتے ہیں۔ اس کے بعد انگریزوں کے خلاف جہاد اور قبائلیوں اور فرنگیوں کے درمیان تصادم کے مختلف واقعات ہوتے ہیں۔ اس سلسلے میں معروف خیسورہ اپریشن دکھایا جاتا ہے۔ قبائلی باشندے جوق در جوق فقیرا پی کے حلقہ ارادت اور لشکر اسلام میں شامل ہوتے ہیں۔ سرزمین سرحد میں برطانوی سامراج کے خلاف نفرت بڑھتی جاتی ہے۔

خیسورہ اپریشن کے دوران ایک سکھ سپاہی جس کا تعلق برطانوی فوج کے ٹوچی کالم سے ہے، کو مجاہدین زخمی حالت میں گرفتار کر لیتے ہیں لیکن وہ اس کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آتے ہیں۔ اس کا علاج کرتے ہیں۔ جب وہ صحت یاب ہو جاتا ہے تو اس خوشی میں قبائلی مجاہدین ایک جشن کا اہتمام کرتے ہیں۔ ایک جنگی قیدی کے ساتھ اس نیک برتاؤ کو دیکھتے ہوئے سکھ سپاہی نہ صرف مسلمان ہو جاتا ہے بلکہ انگریز کے خلاف جہاد میں شرکت کا بھی اعلان کرتا ہے۔

برطانوی ظلم و تشدد کی یہ انتہا سامنے آتی ہے کہ گاؤں جلا دیے جاتے ہیں۔ معصوم عوام پر ہوائی بمباری کی جاتی ہے۔ اس سلسلے میں یکم جنوری ۱۹۳۷ء کو ارسل کوٹ گاؤں پر بمباری ہوتی ہے اور پورا گاؤں آگ کے شعلوں کی لپیٹ میں آ جاتا ہے۔ میر علی کے مقام پر طوری خیل ملکان کا جرگہ ہوتا ہے جس میں باوجود اس کے کہ اتنے بڑے تشدد کی کارروائی ہو چکی ہوتی ہے، وادی خیسورہ میں سرکاری کالموں پر حملوں کی پاداش میں قبائلیوں پر بھاری جرمانہ عائد ہوتا ہے۔ فقیرا پی اس صورت حال کے خلاف جمعہ کے خطبے میں نہ صرف صدائے احتجاج بلند کرتے ہیں بلکہ قبائلیوں کی غیرت و حمیت کو للکارتے ہوئے انھیں فرنگیوں کے خلاف زبردست جہاد کا درس دیتے ہیں اور سارا مجمع ہاتھ اٹھا کر اس کی تائید میں نعرہ تکبیر بلند کرتا ہے۔

قبائلی علاقوں میں بڑھتی ہوئی خراب صورت حال کے پیش نظر برٹش پارلیمنٹ میں اس کے خلاف آواز اٹھائی

جاتی ہے اور سوشلسٹ لیڈر جارج لینز بری اس قتل عام کو بند کر کے مذاکرات کا مطالبہ کرتے ہیں۔ جس کے جواب میں وزیر ہند یہ توضیحی بیان دیتے ہیں کہ حالات پر قابو پا لیا گیا ہے۔ اپریشن بند کیا جا رہا ہے اور حکومت ہند گفت وشنید کے ذریعے قبائل سے معاملات طے کرنے کا آغاز کر چکی ہے۔

انگریز افسران جب کسی بھی صورت میں فقیراپی کے جہاد کو نہیں روک سکی تو وہ ایک عجیب وغریب حربہ اپناتے ہیں اور فقیراپی کی مذہبی حیثیت کے پیش نظر انھیں یہ پیغام پہنچاتے ہیں کہ وہ امام مہدی ہونے کا دعویٰ کر لیں۔ فقیراپی اس سازش کو سمجھ جاتے ہیں اور پیغام لانے والے شخص کو جواب دیتے ہیں کہ اگر یہ منصوبہ تمھارے اپنے ذہن کی اختراع ہے تو مجھے افسوس ہے کہ تم قومی شعور سے عاری ہو اور اگر تمھیں فرنگی نے یہاں بھیجا ہے تو سزا کے مستحق ہو۔ لیکن ہم گھر آئے مہمان کو کچھ نہیں کہتے۔

انگریز جنرل کولرج محسود قبائل کے جرگے سے خطاب کرتا ہے جس کے بعد ایک معاہدہ طے پاتا ہے جس کی شرائط قبائلی تسلیم کرتے ہوئے انگریز افسروں سے یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ ہمارے علاقے میں غیر ضروری مداخلت نہ کی جائے۔ جہاں تک فقیراپی کا تعلق ہے، وہ افغان سرحد کے قریب گورویکنت چلے جاتے ہیں۔

دو جرمن باشندے فقیراپی کو جرمن حکومت کا ایک تحریری پیغام دیتے ہیں کہ جرمن حکومت انگریزوں کے خلاف ان کی مدد کرے گی۔ اس کے بعد ڈرام میں مختلف جہادی مناظر دکھائے جاتے ہیں۔ اس دوران جرمن جنگی ماہرین اسلحے کی تیاری اور استعمال کے بارے میں قبائلیوں کی رہنمائی کرتے ہیں۔ جہاد کے یہ مناظر فقیراپی کے دس سالہ جہاد کے تسلسل کے لیے دکھائے جاتے ہیں، جس کے بعد اسکرین پر جون ۱۹۴۷ء کی تحریر دکھائی جاتی ہے۔ ایک قبائلی شخص بھاگتا ہوا فقیراپی کے حجرے میں داخل ہوتا ہے اور یہ خوش خبری سناتا ہے کہ انگریزوں نے ہمارا ملک چھوڑنے اور قیام پاکستان کا مطالبہ تسلیم کر لیا ہے۔ فقیراپی خدا کا شکر ادا کرتے ہیں۔ قبائلی خوشی سے ہوائی فائرنگ کرتے ہیں۔ آخری منظر میں انگریز فوجی کمانڈرز کو جیپوں میں رخصت ہوتا ہوا دکھایا جاتا ہے۔ قبائلی عوام پاکستان زندہ باد کا نعرہ لگاتے ہیں۔

کیمرہ فوجی گاڑیوں کو دور جاتا دکھاتا ہے اور پھر نیلگوں فضاؤں میں پہاڑوں کے اوپر ایک عقاب اڑتا ہوا نظر آتا ہے۔ اسی عقاب کو دکھاتے ہوئے پس منظر میں ملی نغمہ گونجتا ہے!

ڈرامے کا پلاٹ مربوط ہے اور فقیراپی کے گیارہ سالہ جہاد اور اس کے مختلف واقعات کو ایک ڈرامائی وحدت کی شکل دینا ڈراما نگار کی چابکدستی کا بین ثبوت ہے، خصوصاً اس پہلو کے پیش نظر کہ یہ ان کا پہلا ڈراما تھا اور چوں کہ زندگی نے ان سے وفا نہ کی اس لیے آخری بھی!

فقیراپی کے جہاد کے بارے میں عموماً خیال کیا جاتا ہے کہ اس کا محرک اسلام بی بی کا واقعہ ہے۔ مقبول عامر نے اس حقیقت سے روگردانی نہیں کی بلکہ انھوں نے ان کی سعی وعمل کی بنیاد یعنی واقعہ مسجد شہید گنج اور جذبہ جہاد کو بھی نظر انداز نہیں کیا جو نہ صرف قبائلی مسلمانوں بلکہ تمام اسلامیانِ ہند کے لیے گہرے صدمے اور اشتعال کا باعث بنا۔

اس ڈرامے کے پلاٹ میں واقعات کی ترتیب کا ہنر نمایاں ہے اور جس انداز سے مختلف حقیقی اور فرضی

واقعات کا آپس میں ربط باہمی قائم کیا گیا ہے، اس میں کوئی جھول محسوس نہیں ہوتا اور تمام واقعات ایک تسلسل کے ساتھ رونما ہوتے ہیں۔

جہاں تک ڈرامے کے کرداروں کا تعلق ہے تو بیشتر مرکزی کردار حقیقی ہیں، جن کے اوصاف ان کی حقیقی زندگی میں متعین ہیں۔ یہ امر جہاں ڈراما نگار کے لیے سہولت کا باعث ہوتا ہے، وہیں اس کی آزمائش بھی ہوتی ہے کہ آیا جس طرح وہ کردار حقیقی زندگی میں جن اوصاف یا استعداد و صلاحیت کا مالک تھا، کیا ڈراما نگار انھیں اس کے آئینے میں ڈھال سکا ہے یا نہیں۔

فقیراپی ڈرامے میں یہ آزمائش اپنے تمام تر پہلوؤں کے ساتھ موجود ہے کیوں کہ یہ ڈراما بنیادی طور پر ایک حقیقی کردار ہی کے گرد گھومتا ہے۔

مقبول عامر نے اس کردار کی پیش کش کے سلسلے میں بڑی فنی احتیاط اور مہارت کا ثبوت دیا ہے۔ اس کی مذہبی حیثیت، قائدانہ صلاحیت اور عسکری اوصاف کا احاطہ بڑی کامیابی سے کیا گیا ہے۔ اس ڈرامے کا مرکزی کردار فقیراپی ہے جو اس کہانی کا ایک لحاظ سے ہیرو بھی ہے تاہم امیر نور علی شاہ، اسلام بی بی یعنی رام کور، جنرل کولرج، سکھ سپاہی شمشیر سنگھ (سیف اللہ)، جرمن جنگی ماہرین مختلف واقعات کے تسلسل اور ان کے ارتقا میں معاون ثابت ہوتے ہیں۔

کردار نگاری کے حوالے سے اس ڈرامے کا ایک شدید کمزور پہلو یہ ہے کہ اس میں فقیراپی کا کردار اتنا غالب ہے کہ دیگر کردار ابھر کر سامنے نہیں آ سکے۔ خصوصاً امیر نور علی اور رام کور کے کردار جو اس ڈرامے کے واقعات کے تسلسل میں ایک کردار ادا کر سکتے تھے اور جن سے ڈرامے کی ایک جمالیاتی فضا بھی تشکیل دی جا سکتی تھی، انھیں اس ڈرامے کے محض دو مناظر میں سامنے لایا گیا ہے اور اس کے بعد ان کرداروں کو بالکل غائب کر دیا گیا۔ ڈرامے کے ان دو اہم کرداروں کے ساتھ مصنف نے ایک Disposable Attitude روا رکھا ہے جو فن کردار نگاری کے حوالے سے ایک سقم ہے۔

بحیثیت مجموعی فقیراپی میں کردار نگاری مکمل فنی دسترس کے ساتھ نہیں کی گئی جس کی بنیادی وجہ وہ قومی ضرورتیں ہو سکتی ہیں جن کی بنیاد پر یہ ڈراما تحریر کروایا گیا۔ چوں کہ اس پروڈکشن کا مقصد فقیراپی اور اس کی تحریک جہاد کو اجاگر کرنا تھا اس لیے باوجود اس کے کہ ڈرامے میں فنی شعور کی جھلک نمایاں ہے، وہ فقیراپی کے کردار کے علاوہ دوسرے کرداروں کے ساتھ مکمل کے ساتھ مکمل انصاف نہیں کر پائے۔

فن ڈراما نگاری میں مکالمے کی اہمیت دیگر افسانوی اصناف کی نسبت سب سے زیادہ ہے کیوں کہ ڈرامے میں مصنف کو ہر بات کرداروں ہی کی زبانی کہنی ہوتی ہے۔ ڈرامے میں کوئی کردار اس وقت تک اپنے خصائص کے ساتھ کھل کر سامنے نہیں آتا جب تک مصنف کردار کے مکالمے، اس کے لب و لہجے، اس کے تاثر اور ابلاغ پر توجہ نہ دے۔ اچھے مکالمے کے لیے مندرجہ ذیل عناصر ضروری گردانے گئے ہیں:

> ''اچھا مکالمہ وہ ہے جو بولنے والے کی فطرت کی صحیح ترجمانی کرے۔ اختصار، برجستگی اور حسب ضرورت زبان کی ادبی سطح برقرار رکھنے کے باوجود کردار کی عمر، مزاج، عقائد و مقاصد اور احساسات و

نظریات کا آئینہ دار ہو۔ جس میں صورت حال کا پورا احساس موجود ہو یعنی مکالمہ موقع محل کے مطابق ہو اور کہانی کو آگے بڑھائے۔''(۴)

فقیر اپی چوں کہ ایک قومی جذبے کے تحت تحریر کیا گیا ہے اس لیے اس کے مکالموں میں اس نقطہ نظر کو بطور خاص ملحوظ خاطر رکھا گیا ہے کہ کرداروں کی گویائی ملی جذبوں سے معمور ہو۔ اس کے برعکس وہ کردار جو برطانوی سامراج کی نمائندگی کرتے ہیں، ان کے لب و لہجے میں تحکم، تکبر اور نخوت نمایاں ہو۔

اس ڈرامے میں ان مکالموں پر سب سے زیادہ توجہ کی گئی ہے جو فقیر اپی کی زبان سے ادا ہوئے ہیں۔ اسلام بی بی کے واقعے کے بعد فقیر اپی اپنے حجرے میں علماء قبائلی عمائدین اور قبائلی عوام سے یوں خطاب کرتے ہیں:

''عزیز ساتھیو! اسلام بی بی کا واقعہ ایک قومی سانحہ ہے۔ یہ ہم سب کے لیے غیرت اور حمیت کا معاملہ ہے۔ اسلام بی بی اب اسلام کی بیٹی بن چکی ہے۔ انگریزوں نے اسے ہندوؤں کے حوالے کر کے نہ صرف ہماری غیرت کو للکارا ہے بلکہ ہمارے دین میں مداخلت کے مرتکب ہوئے ہیں۔ ساتھیو! تم لوگ کئی بار انگریزوں کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے، مگر پھر بیٹھ گئے۔ وہ دنیاوی یا سیاسی معاملات تھے اور یہ اسلام کی عزت کا سوال ہے۔ تم اگر اس معاملے میں مجھے رہنما قبول کرتے ہو تو میں اپنی جان دے دوں گا مگر واپس نہیں آؤں گا۔ میرے ساتھ وہی آئے جو اپنی جان ہتھیلی پر رکھے۔''(۵)

فقیر اپی کے پاس جب غلام رسول حقانی (جو انگریزوں کا خفیہ نمائندہ ہے) آ کر انھیں امام مہدی بن جانے کی تجویز پیش کرتا ہے تو فقیر اپی جوابی مکالمہ ادا کرتے ہیں، اس میں غیرت وحمیت کے ساتھ ساتھ پشتون ثقافت کی جھلک بھی نمایاں ہے۔ وہ کہتے ہیں:

''میں نے تمھاری بات سن اور سمجھ لی ہے۔ تمھارے ان نقشوں اور کاغذات کا مطلب بھی جان گیا ہوں۔ اب تم بھی میری بات غور سے سنو۔ مجھے امام مہدی بننے کا کوئی شوق نہیں۔ اگر یہ منصوبہ تمھارے اپنے ذہن کی اختراع ہے تو مجھے افسوس ہے کہ تم قومی شعور سے عاری ہو اور اگر تمھیں فرنگی نے یہاں بھیجا ہے تو سزا کے مستحق ہو۔ لیکن ہم گھر آئے مہمان کو کچھ نہیں کہتے۔''

مسجد شہید گنج کے واقعے کے بعد جب قبائل مشتعل ہو کر اپنی کارروائیوں کا آغاز کرتے ہیں تو انگریز پولیٹیکل ایجنٹ طیش میں آ کر یوں گویا ہوتا ہے:

''It is nothing but terrorism، یہ کھلا دہشت گردی ہے۔ ہم چاہتا ہے کہ یہ علاقہ ترقی کرے۔ یہاں Roads بنیں۔ سکول، کالج بلڈ اپ ہوں۔ Hospitals قائم ہوں مگر یہ لوگ اپنا فائدہ نہیں سوچتا ہے، امن وامان کا مسئلہ پیدا کرتا ہے۔ ہم نے ٹرائبل ایریا کے فائدہ کے لیے پندرہ سال پہلے غازی امان اللہ کے ساتھ عہد نامہ سائن کیا۔ ہمارا نمائندہ مسٹر ہمفری (Mr. Humphrey) ۹ مہینے تک کابل میں بیٹھا رہا۔ اس دوران اس علاقے میں کوئی بڑا اپریشن نہیں ہوا۔ ہم چاہتا ہے کہ حالات ٹھیک رہیں مگر یہ شرپسند لوگ ہمارے لیے Problem پیدا کر رہا ہے۔''

(۶)

وادی خیسورہ میں جب انگریز فوجیوں پر فائرنگ کے واقعات ہوتے ہیں تو پولیٹیکل افسر عمائدین علاقہ سے یوں مخاطب ہوتا ہے:

> ''معززین وعمائدین! حکومت اس علاقے میں جو کچھ کر رہی ہے، آپ لوگوں کی بھلائی کے لیے کر رہی ہے۔ یہ سڑکیں اور تعمیرات تمھارے کام آئیں گی۔ لیکن فقیراپی اور اس کے ساتھ نہیں چاہتے کہ یہ علاقہ ترقی کرے۔ وہ لوگ امن وامان کا مسئلہ پیدا کر کے آپ لوگوں کی ترقی کی راہ میں رکاوٹ ڈال رہے ہیں۔ افسوس اس بات کا ہے کہ آپ لوگ بھی اس کا ساتھ دے رہے ہیں۔ اسے اپنے علاقے میں پناہ دے رہے ہیں۔ حکومت ہند نے اس بات کا سختی سے نوٹس لیا ہے۔ وادی خیسورہ میں سرکاری کالموں پر جو حملے ہوئے ہیں، اس کی پاداش میں حکومت آپ پر پچاس ہزار روپے اور سو رائفلوں کا جرمانہ عائد کرتی ہے اور جن خاصہ داروں نے اپنی ڈیوٹی سے غفلت کی ہے، انھیں ملازمت سے برطرف کیا جاتا ہے۔ اگر جرمانے کی رقم اور رائفلیں پندرہ دن کے اندر سرکار کے حوالے نہ کی گئیں تو علاقے کے خلاف راست اقدام کیا جائے گا جس کی تمام تر ذمہ داری آپ ملکان پر عائد ہوگی۔''(۷)

بحیثیت مجموعی فقیراپی کے مکالمے کرداروں کی ذہنی اپج اور سماجی وانفرادی حیثیت کے مطابق ہیں۔ ان مکالموں سے اگرچہ کوئی ادبی حظ نہیں اٹھایا جا سکتا لیکن ڈرامے کی قومی وملی غایت کو پیش نظر رکھا جائے تو مقبول عامر نے ان میں وہ خشکی یا سپاٹ پن بھی پیدا ہونے نہیں دیا جو عموماً اس نوع کی تحریروں کا خاصہ ہوتا ہے۔

ٹی وی ڈرامے میں منظر نگاری کرتے ہوئے مصنف کو ان ٹیکنیکس کا بھی خیال رکھنا پڑتا ہے جو ٹی وی میڈیم کی ضرورت ہیں۔ مقبول عامر نے فقیراپی کی منظر نگاری میں ان ٹیکنیکس کو بھی ملحوظ خاطر رکھا ہے نیز ایسے مناظر پر فوکس کیا ہے کہ جن سے ان مقامات کی صحیح عکاسی ہو سکے جن میں گیارہ سال تک قبائلیوں اور فرنگیوں کے درمیان ایک زبردست تصادم رہا۔ مثلاً اس ڈرامے کا پہلا منظر ہی ملاحظہ ہو:

> ''کیمرہ پہاڑ کی چوٹی سے بہت نیچے کا منظر اس طرح دکھاتا ہے کہ کلوز اپ میں بندوق کی نالی نظر آ رہی ہے اور نیچے پتلی سڑک پر دور سے دو تین فوجی جیپیں آتی دکھائی دیتی ہیں۔ گویا کیمرہ بندوقچی کے پیچھے ہے لیکن بندوقچی نظر نہیں آ رہا۔ صرف بندوق کی نالی اور نیچے وادی کا سین کیمرے کی زد میں ہیں۔ پراسرار خاموش فضا میں صرف فوجی گاڑیوں کے چلنے کی آواز دور سے آ رہی ہے۔ بندوق کی نالی فوجی جیپوں پر نشانہ باندھے ہوئے، خفیف انداز میں Move ہو رہی ہے۔ پہلی گاڑی گزر جاتی ہے، دوسری (درمیانی) گاڑی جونہی اس کی سیدھ میں آتی ہے، فائر کی آواز فضا میں ارتعاش پیدا کرتی ہے۔ پھر یکدم فائرنگ شروع ہو جاتی ہے۔''(۸)

دریائے کرم کے کنارے جہاں امیر نور علی شاہ اور رام کور مسکراہٹوں کا تبادلہ کرتے ہیں، اس سین کی منظر نگاری میں

رومانوی لطافت کو نظر انداز نہیں کیا گیا:

''کیمرہ دریا کے کنارے کے ساتھ فاصلے پر چند ہندو لڑکیوں کو گھاٹ پر پانی بھرتے ہوئے دکھاتا ہے۔ان کے مخصوص لباس اور پیشانی پر تلک سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ وہ ہندو دوشیزائیں ہیں۔ کچھ کھڑی باتیں کر رہی ہیں کچھ گھڑوں میں پانی بھر رہی ہیں۔ایک خوب صورت دوشیزہ ''رام کور'' (اسلام بی بی) ہے۔وہ ایک خودرو گلاب سے پھول توڑ کر دیا کے کنارے بیٹھ جاتی ہے، پھر کچھ سوچ کر پھول کو لہروں کی نذر کر دیتی ہے اور خود گھڑے میں پانی بھرنا شروع کر دیتی ہے۔کیمرہ بہتے ہوئے پھول کو دکھاتا ہے جو امیر نور علی شاہ کے پاس پہنچتا ہے۔وہ اسے پکڑ کر اٹھاتا ہے اور پہاڑ کی سمت دیکھتا ہے۔دور سے رام کور بھی اسے دیکھتی ہے۔دونوں پر لب مسکراتے ہیں۔''(۹)

فقیرا پی میں جہاں ڈرامے کے عناصر ترکیبی کے فنی لوازمات کو احسن طریقے سے نبھایا گیا ہے وہاں یہ ڈراما پشتون ثقافت کی بھی عمدگی سے عکاسی کرتا ہے۔مثلاً خوشی کے موقع پر ہوائی فائرنگ، حجروں میں جرگہ، عوامی احتجاج اور مذہبی تہوار، بزکشی کا کھیل اور خٹک ڈانس ایسے عناصر ہیں جو قبائل کی مخصوص ثقافت کی نمائندگی کرتے ہیں۔

مجموعی طور پر فقیرا پی ایک عمدہ ڈراما ہے جس میں فقیرا پی کے گیارہ سالہ جہاد کا احاطہ ایک متوازن پلاٹ کے ذریعے کیا گیا ہے۔اس ڈرامے سے نہ صرف ناظرین محظوظ و متاثر ہوئے بلکہ پروڈکشن کے لحاظ سے بھی یہ بہت متاثر کن تھا۔

مآخذ

۱۔ ٹی وی پروڈیوسر توفیق احمد کے ساتھ راقم کی ملاقات، جون ۲۰۰۴ء، اسلام آباد

۲۔ محمد شفیع صابر، تاریخ صوبہ سرحد، یونیورسٹی بک ایجنسی، پشاور، ۱۹۸۶ء، ص ۹۴۲

۳۔ عاشق حسین شاہ کے ساتھ راقم کی ملاقات، ۲۵/جنوری ۲۰۰۴ء، حیات آباد

۴۔ ابوالاعجاز حفیظ صدیقی، کشاف تنقیدی اصطلاحات، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد ۱۹۸۵ء

۵۔ مقبول عامر، فقیرا پی، قلمی مسودہ، مخزونہ شیر علی، اسلام آباد

۶۔ ایضاً ، ص ۵۸

۷۔ ایضاً ، ص ۶۲

۸۔ ایضاً ، ص ۳۵